INSTITUTE OF REGIONAL
STUDIES (IRS) PESHAWAR

# انسٹی ٹیوٹ آف ریجنل اسٹڈیز، پشاور

*ڈاکٹر محمد اقبال خلیل چیئرمین انسٹی ٹیوٹ آف ریجنل اسٹڈیز (IRS) پشاور کی پریس کانفرنس*

## ضلع پشاور کے گھرانوں پر بڑھتی ہوئی مہنگائی کے اثرات

*462 گھرانوں کے سروے، دو فوکس گروپ مباحثوں اور شراکت داروں کے مکالمے پر مبنی نتائج - اگست 2026ء*

### ابتدائی کلمات

اس پریس کانفرنس میں تشریف آوری پر میں آپ سب کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں۔ مہنگائی کے قومی اعداد و شمار ہمیں یہ تو بتا دیتے ہیں کہ روزمرہ اشیاء سمیت تمام ضروریاتِ زندگی کی قیمتیں بڑھ رہی ہیں، مگر یہ نہیں بتاتے کہ ضلع پشاور میں اس کا اصل نقصان کون برداشت کر رہا ہے۔ آئی آر ایس نے اس سوال کا جذبات یا سنی سنائی باتوں کی بجائے سائنسی بنیادوں پر جواب تلاش کرنے کے لیے گزشتہ ماہ ایک جامع تحقیقی مطالعہ کیا ہے۔ یہ مطالعہ مکس ریسرچ میتھڈ اصول کے تحت کیا گیا جو ایک عوامی سروے، دو فوکس گروپ ڈسکشنز اور ایک ہمہ جہت ڈائیلاگ پر مشتمل تھا۔

سروے میں ضلع پشاور کی تمام سات تحصیلوں میں 462 گھرانوں کا ڈور ٹو ڈور ڈیٹا اکھٹا کیا گیا۔ دو فوکس گروپ ڈسکشنز میں پہلا سرحد چیمبر آف کامرس میں منعقد کیا گیا جس میں پشاور کے معروف صنعت کاروں اور تاجروں نے حصہ لیا۔ دوسرا ایف جی ڈی آئی آر ایس کے دفتر میں منعقد کیا گیا جس میں زندگی کے مختلف طبقات بالخصوص متوسط اور غریب گھرانوں کے نمائندہ افراد نے شرکت کی جب کہ ڈائیلاگ میں ماہرینِ معیشت، مختلف تنظیموں اور سول سوسائٹی کے نمائندوں، اساتذہ، صحافی حضرات اور اقلیتی برادری کے علاوہ ایک خاتون خانہ نے بھی شرکت کی۔ اس پریس بریفنگ میں جو کچھ میں آپ کے سامنے رکھنے جا رہا ہوں وہ ہماری رائے نہیں، بلکہ یہ ان گھرانوں اور افراد کی رائے اور جوابات ہیں جو انہوں نے خود اپنے الفاظ اور اپنے اعداد و شمار میں ہمیں بتائے۔

ہمارا کلیدی نتیجہ بڑا واضح ہے، مگر اسے نظر انداز کرنا ممکن نہیں: ہماری تحقیق کے مطابق مہنگائی پشاور کے تمام گھرانوں پر یکساں اثر نہیں ڈال رہی، بلکہ غریب ترین گھرانے اس کی زد میں خوشحال ترین گھرانوں کے مقابلے میں تقریباً سات گنا زیادہ شدت سے آ رہے ہیں۔ آگے میں تفصیل سے بتاؤں گا کہ عملی زندگی میں اس کا کیا مطلب ہے، اور پھر یہ کہ ہم سرکاری محکموں اور اس شہر سے کیا مطالبہ کر رہے ہیں۔

### کلیدی نتیجہ: مہنگائی کا اثر یکساں نہیں

ہم نے ہر گھرانے سے پوچھا کہ مہنگائی نے مجموعی طور پر انہیں کس حد تک متاثر کیا ہے۔ کم آمدنی والے علاقوں میں 48.7 فیصد گھرانوں نے خود کو "انتہائی حد تک" متاثر قرار دیا، جبکہ درمیانی آمدنی والے علاقوں میں یہ شرح 12.9 فیصد اور زیادہ آمدنی والے علاقوں میں محض 7.1 فیصد رہی۔ یہ کوئی قیاس آرائی نہیں، بلکہ ہمارے اپنے 462 گھرانوں کے نمونے سے براہِ راست سامنے آنے والا نتیجہ ہے۔

یہ صورتِ حال اس وجہ سے نہیں کہ لوگوں کی آمدن جوں کی توں رہی ہے۔ 67.3 فیصد گھرانوں کے مطابق گزشتہ چند مہینوں میں ان کی آمدنی واقعی بڑھی ہے، مگر انہی میں سے 96.5 فیصد کا کہنا ہے کہ ان کے اخراجات بھی اتنے ہی یا اس سے بھی زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ جو اضافہ گھر کے دسترخوان تک پہنچنے سے پہلے ہی بڑھتی ہوئی لاگت کی نذر ہو جائے، اسے حقیقی اضافہ کہنا مشکل ہے، اور آج پشاور کے بیشتر گھرانوں کے ساتھ یہی ہو رہا ہے۔

## دباؤ کہاں سب سے زیادہ ہے؟ یوٹیلیٹی بل: دباؤ کا سب سے بڑا سبب

93.1 فیصد گھرانوں کے مطابق بجلی، گیس یا ایندھن کے اخراجات میں سب سے زیادہ اضافہ ہوا ہے، اور یہ شرح خوراک سمیت کسی بھی دوسری مد سے زیادہ ہے۔ 86.6 فیصد گھرانے کم از کم ایک بار یوٹیلیٹی بل کی ادائیگی میں تاخیر کر چکے ہیں۔ ہماری ملاقات ایک ایسے گھرانے سے بھی ہوئی جس کا ماہانہ بجلی کا بل 15,700 روپے تھا، جبکہ یومیہ اجرت محض 1,200 روپے تھی؛ یعنی صرف ایک بل پندرہ دن سے زیادہ کی پوری مزدوری کے برابر تھا۔ ایسے میں یہ بات حیران کن نہیں کہ جب ہم نے گھرانوں سے پوچھا کہ انہیں سب سے بڑھ کر کس مدد کی ضرورت ہے تو 55.8 فیصد نے توانائی میں ریلیف کو پہلی ترجیح قرار دیا، اور یہ دیگر تمام اقسام سے واضح طور پر آگے رہا۔

## خوراک

ہماری تحقیق کے مطابق 86.4 فیصد گھرانوں کے خوراک کے اخراجات بڑھ گئے ہیں، اور نصف سے زیادہ گھرانے اس اضافے کو بہت زیادہ قرار دیتے ہیں۔ بیشتر گھرانے سستی اشیائے خورونوش کی طرف منتقل ہو کر یا کم کھا کر گزارا کر رہے ہیں، مگر 34.6 فیصد، یعنی تقریباً ہر تین میں سے ایک گھرانہ، کھانے کا کوئی نہ کوئی وقت مکمل طور پر چھوڑنے پر مجبور ہو چکا ہے۔

## صحت اور تعلیم

79.4 فیصد گھرانے علاج کے اخراجات برداشت نہ کر سکنے کے باعث کم از کم ایک بار علاج مؤخر کر چکے ہیں۔ تعلیم کا حال بھی مختلف نہیں: 59.1 فیصد گھرانوں نے اسکول فیس کی ادائیگی میں تاخیر کی، 19.2 فیصد نے اپنے بچے کو کسی سستے اسکول میں منتقل کیا، اور کچھ گھرانے ایسے بھی ہیں جنہیں بچے کی تعلیم کا سلسلہ ہی ختم کرنا پڑا۔ یہ محض اندیشہ نہیں، بلکہ ہمارے اپنے نمونے میں ثابت شدہ حقیقت ہے۔

## ٹرانسپورٹ اور نقل و حرکت

ایندھن کی بڑھتی ہوئی قیمتیں گھریلو بجٹ اور روزمرہ آمد و رفت پر نمایاں دباؤ ڈال رہی ہیں۔ سروے کے مطابق 84.6 فیصد گھرانوں نے ٹرانسپورٹ کے اخراجات میں اضافے کی نشاندہی کی، جبکہ 79.8 فیصد نے بازار جانے، 51.6 فیصد نے تعلیمی، 49.2 فیصد نے روزگار اور 37.7 فیصد نے طبی ضروریات کے لیے سفر میں کمی کی۔ چیمبر آف کامرس کے فوکس گروپ ڈسکشن میں کاروباری نمائندوں نے بھی بڑھتے ہوئے ٹرانسپورٹ اخراجات کو ایندھن کی قیمتوں اور پاک افغان تجارتی راستوں میں رکاوٹوں سے منسلک کیا۔ یہ صورتحال پاکستان میں فروری 2026 کے بعد پیٹرولیم قیمتوں میں 50 فیصد سے زائد اضافے کے تناظر میں سامنے آئی ہے، جبکہ بھارت اور بنگلہ دیش میں اس عرصے کے دوران نسبتاً کم اضافہ ریکارڈ کیا گیا۔

## قرض: وہ دباؤ جو عام گفتگو میں دکھائی نہیں دیتا

یہاں میں ایک عدد کی طرف خاص طور پر آپ کی توجہ دلانا چاہوں گا: 89 فیصد گھرانے اب کسی نہ کسی شکل میں غیر رسمی قرض کے سہارے چل رہے ہیں، چاہے وہ رشتہ داروں سے لیا گیا قرض ہو، دکانداروں کے ہاں بڑھتا ہوا ادھار ہو یا واجب الادا بلوں کا بوجھ۔ 95.1 فیصد گھرانوں کے لیے قرض واپس کرنا مشکل ہو چکا ہے، اور صرف 12.3 فیصد کے پاس کوئی قابلِ ذکر بچت باقی ہے۔ اس کے باوجود، جب ہم نے پوچھا کہ انہیں کس قسم کی مدد درکار ہے تو قرض میں ریلیف سب سے نچلی ترجیح ثابت ہوا، جسے صرف 3.5 فیصد نے چنا۔ گویا لوگ قرض معافی نہیں مانگ رہے؛ ان کی فوری ضرورت آج کی خوراک اور بجلی و توانائی کے بل ہیں۔ لیکن قرض اپنی جگہ موجود ہے اور خاموشی سے بڑھ رہا ہے، اور یہی وہ خطرہ ہے جس پر متعلقہ اداروں کو کڑی نظر رکھنی ہو گی۔

## کون پیچھے رہ گیا ہے؟

اوسط اعداد و شمار جتنا کچھ ظاہر کرتے ہیں، اتنا ہی چھپا بھی لیتے ہیں۔ جب ہم نے گھرانوں سے پوچھا کہ امداد میں کسے ترجیح ملنی چاہیے تو ان کا جواب بالکل واضح تھا: سب سے پہلے انتہائی کم آمدنی والے گھرانے، پھر یومیہ اُجرت اور غیر مستقل آمدنی پر گزارا کرنے والے مزدور، ان کے بعد اسکول جانے والے بچوں کے گھرانے، اور پھر بیمار اور بزرگ افراد۔ صرف 3 فیصد کی رائے تھی کہ امداد سب میں برابر تقسیم ہونی چاہیے۔

اسٹیک ہولڈرز یا شراکت داروں کے مکالمے نے ان اعداد و شمار کو نام اور چہرے بھی دے دیئے۔ پشاور پیراپلیجک سینٹر کے ڈائریکٹر ڈاکٹر الیاس سید نے نشاندہی کی کہ معذور افراد اور طویل مدتی طبی ضروریات رکھنے والے لوگ مہنگائی کی اس لہر سے پہلے ہی اوسط گھرانے سے کہیں زیادہ خرچ کر رہے تھے، اس لیے قیمتوں میں وہی اضافہ انہیں تناسب کے اعتبار سے کہیں زیادہ متاثر کرتا ہے۔ پشاور یونیورسٹی ٹیچرز ایسوسی ایشن کے سابق صدر پروفیسر ڈاکٹر ارباب خان آفریدی نے بتایا کہ یونیورسٹی کے پنشنرز کو کئی کئی مہینے ادائیگی نہیں ہوتی، یہاں تک کہ انہیں دوا خریدنے کے لیے بھی قرض لینا پڑتا ہے۔ یہ اکا دکا مثالیں نہیں؛ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں کسی بھی امدادی پروگرام میں نام لے کر شامل کیا جانا چاہیے، نہ کہ محض آمدنی کی ایک حد مقرر کر کے سب کو ایک ہی پیمانے سے ناپا جائے۔

## مسئلہ صرف گھرانوں تک محدود نہیں

چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری میں تاجروں اور صنعت کاروں نے، جو اس معاملے کے دوسرے سرے پر کھڑے ہیں، یہی کہانی سنائی: بڑھتی ہوئی لاگت، بھاری ریگولیٹری بوجھ اور تجارتی راستوں میں رکاوٹیں، جن کا اثر براہِ راست ان قیمتوں میں شامل ہو جاتا ہے جو گھرانے ادا کرتے ہیں۔ اسٹیک ہولڈر مکالمے میں جامعہ کے ماہرینِ معیشت نے بھی، ان سب سے الگ رہ کر، روپے کی قدر میں کمی، بالواسطہ ٹیکسوں کی بلند شرح اور سماجی تحفظ کے کمزور نظام کو وہ بنیادی ساختی اسباب قرار دیا جو گھرانوں کی موجودہ حالت کے پیچھے کارفرما ہیں۔ یوں تاجروں، گھرانوں اور ماہرینِ معیشت نے بالکل مختلف زاویوں سے بات کی مگر ایک ہی نتیجے پر پہنچے، اور یہی ہم آہنگی ہمیں ان نتائج پر اعتماد بخشتی ہے۔

## آئی آر ایس کی سفارشات

ہماری رپورٹ کی ہر سفارش کسی مخصوص نتیجے پر مبنی ہے، اس کے لیے ایک ذمہ دار محکمہ نامزد کیا گیا ہے، اور بعد میں یہ جانچنے کا طریقہ بھی طے ہے کہ اس پر واقعی عمل ہوا یا نہیں۔ ان میں سے پانچ سفارشات فوری توجہ کی متقاضی ہیں:

- **توانائی میں ریلیف:** WAPDA/PESCO اور PEDO کے ذریعے کم آمدنی والے گھرانوں کے لیے لائف لائن ٹیرف اور بلوں کی قسط وار ادائیگی کی سہولت جب کہ ایک توانا رائے یہ بھی ہے کہ وفاقی حکومت کو آئین کی دفعہ 161(2) کے تحت صوبے کو نیٹ ہائیڈل پرافٹ کی مد میں جس ادائیگی کی آئینی طور پر پابند ہے اسے اس رقم کو صوبائی حکومت کی مشاورت اور رضامندی سے بجلی بلوں میں بطور سبسڈی شامل کر کے صوبے کے عوام کو توانائی کی مد میں ریلیف دینا چاہیے۔ واضح رہے کہ وفاقی حکومت کے اپنے اعداد و شمار کے مطابق خیبر پختونخوا کے بارہ پاور سٹیشن اوسطاً ساڑھے پانچ ہزار میگاواٹ بجلی پیدا کرتے ہیں جب کہ صوبے کی بجلی کی کل ضرورت تقریباً ساڑھے تین ہزار میگاواٹ ہے۔ اسی طرح آئین کی دفعہ 158، 161(1) اور 172(3) کے تحت گیس کی پیداوار پر بھی وفاق اور صوبوں کا حق 50:50 کے تناسب سے تسلیم کیا گیا ہے لہٰذا اس واضح آئینی حق کو مد نظر رکھتے ہوئے خیبر پختونخوا کی گیس کی 550 MMCFD پیداوار کے مقابلے میں خیبر پختونخوا کی کل ضرورت 150 MMCFD کو مد نظر رکھتے ہوئے صوبے کو نہ صرف گیس کی لوڈ شیڈنگ سے مستثنیٰ کیا جانا چاہیئے بلکہ وفاقی حکومت کو صوبے کے عوام کو اس مد میں بھی صوبائی حکومت کی مشاورت اور رضامندی سے مناسب سبسڈی بھی دینی چاہیئے۔
- **خوراک کی امداد:** صوبائی سوشل ویلفیئر ڈیپارٹمنٹ کے ذریعے کم ترین آمدنی والے اور یومیہ اجرت پر گزارا کرنے والے گھرانوں کو راشن یا واؤچر کی صورت میں ہدفی امداد کا انتظام کرنا چاہیئے۔
- **صحت:** خیبر پختونخوا ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ اور شراکت دار غیر سرکاری تنظیموں کے ذریعے دائمی امراض میں مبتلا اور معذور افراد کے لیے ادویات کے اخراجات کو صحت سہولت انصاف کارڈ کا مستقل حصہ بنانا چاہیئے یا پھر ان مخصوص ادویات کی خریداری کے لیئے رعایتی نرخوں پر ریلیف کا کوئی قابل عمل نظام وضع کرنا چاہیئے۔

- **ٹرانسپورٹ اور نقل و حرکت:** کم آمدنی والے گھرانوں کے لیے ہدفی ٹرانسپورٹ الاؤنس یا کرایوں میں رعایت کو ترجیح دی جائے، خصوصاً سب سے زیادہ متاثرہ تحصیلوں میں تعلیمی اداروں اور ضروری طبی سہولیات تک رسائی یقینی بنانے کے لیے، بجائے اس کے کہ عمومی سطح پر ایندھن پر سبسڈی فراہم کی جائے۔
- **قرض کی نگرانی:** گھریلو حالات کی باقاعدہ نگرانی میں غیر رسمی قرض کے اشاریے بھی شامل کیے جائیں تاکہ یہ خطرہ بحران بننے سے پہلے ہی سامنے آ جائے۔ اس کی ذمہ داری آئی آر ایس کی تحقیقی ٹیم نے اپنے سر لی ہے۔
- **ہدفی اہلیت:** خیبر پختونخوا سوشل ویلفیئر ڈیپارٹمنٹ کے امدادی پروگراموں میں محض آمدنی کی حد پر انحصار کرنے کے بجائے کمزور طبقات، یعنی معذور افراد، بزرگ پنشنرز، یومیہ اجرت پر کام کرنے والوں، بیوہ گان، یتامیٰ اور اقلیتی برادریوں کو نام لے کر شامل کیا جائے۔

## اختتامی کلمات

یہ رپورٹ ہمارے کام کا اختتام نہیں بلکہ اس مکالمے کا آغاز ہے جسے ہم سرکاری محکموں، امدادی اداروں اور پشاور کے شہریوں کی شراکت سے جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ مکمل رپورٹ، بنیادی سروے ڈیٹا اور یہ خلاصہ آج آپ سب کے لیے دستیاب ہے جب کہ دیگر افراد یا اداروں کو بھی درخواست پر فراہم کیا جا سکتا ہے۔ ہم کسی سے یہ نہیں کہتے کہ محض ہماری بات پر یقین کر لیا جائے؛ ہماری گزارش صرف اتنی ہے کہ شواہد کو پڑھا جائے اور ان کی روشنی میں عملی قدم اٹھایا جائے۔ آپ سب کا ایک بار پھر شکریہ۔ آخر میں اگر کسی دوست کا کوئی سوال ہو تو میں اور ہماری ٹیم جو پروفیسر ڈاکٹر فضل الرحمٰن قریشی، پروفیسر ڈاکٹر ارباب خان آفریدی، ڈاکٹر اسرار احمد اور ڈاکٹر عالمگیر آفریدی پر مشتمل ہے آپ کے جوابات دینے کے لیئے حاضر ہے۔

## متوقع سوالات:

**س: کیا یہ مطالعہ پورے پشاور یا پورے خیبر پختونخوا کی نمائندگی کرتا ہے؟**

**ج:** نہیں۔ رپورٹ میں یہ بات صراحت کے ساتھ درج ہے۔ یہ 462 گھرانوں پر مشتمل ایک سوچا سمجھا موازنہ ہے جو ضلع پشاور کے مختلف آمدنی گروہوں اور تحصیلوں کے درمیان کیا گیا ہے؛ یہ ضلع پشاور یا صوبے کا کوئی بے ترتیب (رینڈم) نمونہ نہیں۔ یوں یہ معتبر تقابلی شواہد تو ہیں، مگر پورے صوبے کا تخمینہ نہیں، اور ہم نے پوری احتیاط کی ہے کہ انہیں اس سے بڑھ کر پیش نہ کیا جائے۔

**س: آپ کے جواب دہندگان میں خواتین صرف 2 فیصد کیوں ہیں؟**

**ج:** اس لیے کہ ہم خواتین تک رسائی کے اپنے ہی منصوبے کو پوری طرح عملی جامہ نہیں پہنا سکے، اور ہم اس حقیقت پر پردہ ڈالنا نہیں چاہتے۔ یہ اس مرحلے کی تحقیق کی سب سے نمایاں کمی ہے، جس کے باعث خوراک، صحت اور گھریلو فیصلوں سے متعلق معلومات، یعنی وہ معاملات جن میں عموماً خواتین کا کردار مرکزی ہوتا ہے، زیادہ تر بالواسطہ ذرائع سے حاصل ہو سکیں۔ آئندہ مرحلے میں ہم نے خاص طور پر خواتین فیلڈ ورکرز کے لیے وسائل مختص کرنے کا عزم کیا ہے۔

**س: رپورٹ کی اشاعت کے علاوہ آئی آر ایس عملی طور پر کیا کرے گا؟**

**ج:** ہم تین ٹھوس اقدامات کریں گے۔ اوّل، محض ایک عمومی اپیل جاری کرنے کے بجائے ہم ہر سفارش براہِ راست اس متعلقہ محکمے کے سامنے رکھ رہے ہیں جسے اس کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے، یعنی WAPDA، PEDO، PESCO، SNGPL اور OGDC، خیبر پختونخوا سوشل ویلفیئر اور خیبر پختونخوا ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ۔ دوم، 6 سے 12 ماہ کے اندر ایک فالو اپ مرحلہ مکمل کیا جائے گا تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ اشاریے بدلتے ہیں یا نہیں۔ سوم، صرف یہ رپورٹ ہی نہیں بلکہ مکمل ڈیٹا سیٹ بھی دیگر محققین اور اداروں کے استعمال کے لیے دستیاب رہے گا۔

**س: مہنگائی قومی ہی نہیں، عالمی مسئلہ ہے۔ ایسے میں مقامی محکمے عملاً کیا کر سکتے ہیں؟**

**ج:** کوئی قومی شرح یہ نہیں بتا سکتی کہ کوئی گھرانہ یوٹیلیٹی بل اور اسکول فیس میں سے کسی ایک کو چننے پر مجبور ہے۔ یہ جاننے کے لیے مقامی ڈیٹا درکار ہوتا ہے، اور یہی یہ مطالعہ فراہم کرتا ہے۔ ہماری کئی سفارشات ایسی ہیں جن پر صوبائی اور ضلعی ادارے براہِ راست عمل کر سکتے ہیں، جیسے بجلی کا لائف لائن ٹیرف، ہدفی غذائی امداد اور ادویات کے اخراجات میں ریلیف۔ ان اقدامات کے لیے ملک گیر سطح پر مہنگائی ختم کرنا شرط نہیں؛ بس یہ سمجھنا ضروری ہے کہ مقامی سطح پر مہنگائی کس طرح اثرانداز ہو رہی ہے۔

**س: فوکس گروپس میں سامنے آنے والے بعض دعوے، مثلاً بے روزگاری اور شدت پسندی کے درمیان تعلق، خاصے سنگین ہیں۔ ان کے پیچھے شواہد کتنے ٹھوس ہیں؟**

**ج:** ہم نے اپنے بنیادی ڈیٹا میں اس دعوے کو ایک شریکِ گفتگو کے ذاتی تاثر کے طور پر درج کیا ہے، ایسی بات کے طور پر نہیں جسے اس مطالعے نے آزادانہ طور پر ثابت کیا ہو، اور آج بھی ہم یہی فرق واضح کر رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک کسی دعوے کی حدود کے بارے میں شفاف رہنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ ایک غیر حتمی بات کو حتمی نتیجے کے طور پر پیش کیا جائے۔